فارس اور وسط ایشیاء میں غالب شناسی

Ghalib Cognizance in Persia and Central Asia

یوسف نون [1] ڈاکٹر سائرہ ارشاد [2]

Abstract:

The tradition of Ghalib Shanasi (Ghalib Cognizance) is as old as the literary work of Ghalib itself. Ghalib has left behind himself a highly esteemed literary work of Persian poetry and prose. But despite that the tradition of Ghalib Shanasi (Cognizance of Ghalib) among the literary scholars of Persia started too late, near about, in 1950. Though Ghalib was appreciated in Persian literary intellectuals but this appreciation is not sufficient as compare to the discernment of Ghalib among the literary craftsmen of Urdu. Therefore, paradoxically, Ghalib felt pride in expressing himself in Persian and he thought himself as the literary figure of that language. Among the Persian literary figures, thesis of Dr. Muhammad Muqaddam Alvi, Dr. Shafei Kadkani, Professor Estelami, Dr. Raza Mustafa and Yahya Taliban regarding Ghalib Shanasi (Cognizance of Ghalib). The research work and criticism of Muhammad Hassan Jairi, Sayed Ghulam Akbar Naqvi and Muhammad Ali Farjaad etc., regarding Ghalib Shanasi (Ghalib cognizance) are worthy to be acknowledged. Though they compensate Persian's lack of Ghalib Shanasi (Ghalib Cognizance), yet more is required to be done.

Keywords: **Mirza Ghalib, Dehlvi, Ghalib Shanasi, Persia, Persian, Iran, Middle East, Poetry, Persian Poetry, Hindustani Poets.**

غالب شناسی کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود غالب کا کلام۔ غالب نے فارسی نظم و نثر کا خاصا وقیع سرمایہ چھوڑا ہے۔ فارسی کے علمی و ادبی حلقوں میں ''غالب شناسی'' کی روایت کا آغاز کہیں دیر سے، ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ جا کے ہوتا ہے۔ فارسی داں طبقہ میں غالب کو سراہا تو گیا، مگر اس قدر نہیں جتنا اردو داں طبقہ میں غالب کو مقام و مرتبہ ملا ہے۔ حالاں کہ غالب ہمیشہ فارسی کو اردو کے مقابلے میں ذریعہ اظہار بنانے میں احساسِ تفاخر کا شکار رہے اور اپنے آپ کو اہلِ زبان میں سے گنواتے رہے۔ فارسی دان طبقہ میں سے: ڈاکٹر محمد مقدم علو، لطف علی صورت گر، آزرمی دخت صفوی، ڈاکٹر شفیعی کدکنی، پروفیسر استعلامی، ڈاکٹر رضا مصطفوی اور یحییٰ طالبیان کے مقالات غالب شناسی کے باب میں خاصے اہم ہیں۔ علاوہ ازیں، محمد حسن حائری، سید غلام اکبر نقوی اور محمد علی فرجاد وغیرہ کا تحقیقی و تنقیدی کام، غالب شناسی کے باب میں اہل فارس کی کمی کا ازالہ کرتا ہے۔ اہلِ فارس کی طرف سے غالب کو مزید توجہ درکار ہے۔

کلیدی الفاظ: مرزا غالب، دہلوی، غالب شناسی، فارس، فارسی، ایران، فارسی شاعری، وسط ایشیا

مرزا اسد اللہ خان غالب، جو فارسی و اردو اقلیمِ نظم و نثر کے بے تاج بادشاہ ہیں، ان کے اجداد کا تعلق سمرقند سے تھا۔ غالب کے اجداد ترک نسل سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی زبان فارسی تھی، جو اٹھارویں صدی

۱ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بہاءُ الدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان

۲ استاد، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق ویمن کالج یونی ورسٹی، بہاول پور

کے وسط میں ہندوستان کے شمالی دروں کو عبور کرتے ہوئے ہندوستان وارد ہوئے۔ پیشے کے اعتبار سے بقول غالب:

سو پشت سے ہے پیشہ آباء سپہ گری

ہندوستان میں بھی غالب کے اجداد نے ''پیشہ سپہ گری'' کو ذریعہ معاش بنایا اور مختلف راج دہانیوں میں اپنی خدمات انجام دیں۔

غالب حسبی و نسبی ہر اعتبار سے نرگسیت کا شکار رہے۔ اُنھوں نے ترک نژاد ہونے اور اپنے فارسی کلام پر ہمیشہ اظہارِ تفاخر کیا۔ غالب اپنے اردو کلام کو فارسی کے مقابلے میں بے رنگ گردانتے ہیں:

فارسی بین تا ببنی نقش ہائے رنگ رنگ
بگزر از مجموعہ بے رنگ من است

اسی طرح غالب شروع میں اردو کے مقابلے میں فارسی نثر کو ترجیح دیتے ہیں۔ غالب زندگی کے آخری ایام میں اپنی باقی ماندہ زندگی فارس یا عرب کی سرزمین پر بیتانے کے متمنی نظر آتے ہیں۔

اہلِ فارس نے جتنی توجہ ہندوستانی فارسی گو اور سبک ہندی کے شعرا کے کلام میں سے امیر خسرو، بیدل، فیضی، غنی اور اقبال وغیرہ پر دی ہے، اس قدر توجہ سے غالب محروم رہے۔ غالب اپنے آپ کو اہل زبان میں سے شمار کرتے تھے، بیدل کے علاوہ اہل ہند میں سے کسی بھی فارسی گو شاعری کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ وہ اہل زبان کے علاوہ کسی دوسرے کو سند ماننے سے یکسر انکاری تھے۔ اس سبب غالب کو بہت کچھ سننا، سہنا اور برداشت کرنا پڑا اور کئی مخالفتیں پالیں، مگر آخر وقت تک اپنے مؤقف پر قائم رہے۔

غالب جس زبان پر تاحینِ حیات احساس تفاخر کا شکار رہے، اس کے اہلِ زبان نے غالب کو نظر انداز کر دیا اور خاطر خواہ توجہ نہ کی، کچھ متوجہ ہوئے بھی تو، پر حق ادا نہ کیا۔ غالب جس قدر حق دار تھے، اس قدر فارسی داں طبقے میں نہ سراہے جا سکے اور نہ ہی مقبول ہو پائے۔ اہل فارس نے چند مضامین اور مقالات کو غالب کی گراں قدر فارسی نظم و نثر کی خدمات کے اعتراف میں کافی جانا۔ ان چند گنے چنے مقالات و مضامین کے علاوہ، کچھ اہم تحقیقی و تنقیدی کتب بھی سامنے آتی ہیں، مگر جتنا کام غالب شناسی کے باب میں برصغیر میں اردو داں طبقہ

نے کیا، اس کے مقابلے میں اہل فارس کا کام آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ اہل فارس کے ہاں جتنی پذیرائی امیر وخسرو اور اقبال نے پائی وہ غالب کے نصیب میں نہ آسکی، حال آں کہ غالب تو اس سے بھی کہیں زیادہ کے حق دار تھے۔ چنداں، فارس اور وسط ایشیائی ممالک میں غالب شناسی کے باب میں جو کام بھی ہوا ہے، اس پر ایک نظر ڈالتے چلیں۔

سید حسن عباس کی تحقیق کے مطابق ایران میں غالب شناسی کا آغاز ۵۳۔۱۹۵۲ء کے عرصہ میں ہوا، اس امر کا پیش خیمہ، اس وقت کے ایرانی ثقافتی مشیر 'مصطفی طباطبائی' کے مجلہ ''مہر'' میں غالب پر شائع ہونے والا ایک تعارفی مضمون بنتا ہے۔[۱] اسی اثنا میں برصغیر پاک وہند میں غالب شناسی اپنے منتہائے عروج پر تھی، جس کا آغاز غالب کی زندگی سے ہی ہو چکا تھا۔ ہر طرح کا: سوانحی، تشریحی تنقیدی اور تحقیقی کام، جو کئی زاویوں کا حامل ہے، اردو داں طبقے کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا۔ اس زمانے میں اہل فارس ابھی غالب سے تازہ تازہ متعارف ہو رہے ہیں۔ برصغیر اور اہل فارس میں غالب شناسی کا علمی بُعد صدی بھر سے بھی زیادہ پر محیط ہے، جو سراسر ان کی غالب سے بے نیازی اور بے اعتنائی پر محمول ہے، ورنہ اہل ہند اور اہل فارس کے روابط عرصہ دراز سے ثابت ہیں۔ اہل فارس غالب کے معاملے میں تعصب کا شکار رہے۔ فارس میں غالب شناسی کے آغاز کو پونی صدی گزرنے کے باوجود، اہل فارس غالب شناسی کے باب میں کوئی کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دے پائے۔

آزرمی دخت صفوی ایران میں غالب شناسی کے آغاز وارتقاء پر کچھ یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ''دراصل ایران میں غالب کی تفہیم و تعبیر کا آغاز ماضی قریب میں ہوا ہے۔ چناں چہ ان کی فکر و فن پر لکھا جانے والا پہلا مقالہ 'مصطفی طباطبائی' کا ہے جو ۱۹۵۱ء میں مجلہ ''مہر'' کے سال ہشتم کے دو شماروں میں مسلسل شائع ہوا۔ یہ مقالہ مرزا کے احوال و آثار کی شرح پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد 'شفیع کدکنی' نے ''ہزومردم'' اور ''سخن'' میں غالب پر دو مقالے لکھے۔ 'ایرج افشار'، 'ڈاکٹر سجادی'، 'لطف علی صورت گر' اور چند دوسرے اساتذہ کو اس ہندوستانی فارسی گو شاعر کے کلام سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۷ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نے 'محمد علی فرجاد' کی کتاب ''احوال و آثار مرزا اسداللہ غالب'' شائع کی، جس پر مقدمہ مشہور ایرانی ناقد جعفر محجوب نے لکھا۔''[۲]

'آرزمی دخت صفوی' فارسی میں غالب شناسی کے مستقبل پر خاصے پرامید نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے خود بھی غالب پر کئی مقالے تحریر کیے ہیں۔ معروف ایرانی دانش ور آقائے داریوش نے بھی غالب کے جمالیاتی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ وہ غالب کے کلام کو ''شیریں''، ''پر معانی''، ''نکات فلسفہ'' اور ''دقائق عرفانی'' سے مزین قرار دیتے ہیں۔ آقائے داریوش کے نزدیک غالب ایک ''فلسفی شاعر'' اور اقلیم تشبیہات واستعارات کے بادشاہ ہیں۔[۳] تہران یونیورسٹی کے ڈین آف لٹریچر اور محققِ ادبیات ڈاکٹر ذبیح صفا نے ''گنجِ سخن'' کے نام سے فارسی شعرا کا ایک انتخاب فارسی اور فرانسیسی زبان میں مرتب کیا، جس میں غالب کو بھی جگہ دی گئی ہے۔

ڈاکٹر علی اصغر حکمت نے اپنی کتاب ''نقش پارسی حجار ہند''(۱۹۵۷ء) میں غالب کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کا عنوان وہ فارسی کتبے ہیں جو ہندوستان کی مختلف عمارتوں میں نصب ہیں۔ اُنھوں نے غالب کے مزار پر مختصراً روشنی ڈالی ہے اور مقبرہ کی تصویر بھی لگائی ہے۔ ان کی دوسری کتاب ''سرزمینِ ہند''(۱۹۵۸ء) میں، ہندوستان کے سیاسی وسماجی حالات اور تاریخ پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں دیگر شعرا کے ساتھ ساتھ غالب کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہ غالب کو طالب وصائب سے بڑا شاعر قرار دیتے ہیں۔[۴]

غالب پر چند اہم اور ابتدائی مقالات میں لطف علی صورت گر کا مقالہ ''نکتہ ای چند در بارۂ اسد اللہ خاں غالب'' بھی شامل ہے۔ اس مقالے کو تجزیاتی کی بجائے تاثراتی تنقید کا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ غالب کے ہاں ''ابتکار معنی'' اور ان کی ''فصاحت وشیوہ بیانی'' کے خاص معترف ہیں۔[۵]

''کلیات نظم فارسی اسد اللہ خان غالب دہلوی''(۱۹۶۱ء) تہران یونیورسٹی سے سید غلام اکبر نقوی، کا فارسی ادبیات میں پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے۔ یہ ایران میں غالب پر پہلی باقاعدہ سندی تحقیق شمار ہوتی ہے۔ اُنھوں نے غالب کے کلام میں شعری صنائع بدائع کے ساتھ ساتھ مبالغہ، شوخی وظرافت، خودستائی وتفاخر اور غالب کے اصل ونصب پر خوب روشنی ڈالی ہے۔ غالب کے علاوہ ایران کے دیگر فارسی گو شعرا کو بھی بحثِ موضوع لایا گیا ہے۔[۶]

محمد علی فرجاد کی تصنیف ''احوال وآثار ومرزا اسد اللہ خان غالب''(۱۹۷۷ء) ایران میں غالب شناسی کے باب میں ایک اہم پیش رفت ہے جس میں ہندوستان کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی حالات اور ان حالات

میں فارسی زبان کی اہمیت و کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے علاوہ فارسی شاعری کی تفہیم و تشریح اور تجزیے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ فاضل مصنف نے کلام غالب کا خاصا عمیق مطالعہ پیش کیا ہے۔اُنھوں نے سبکِ ہندی کے ساتھ ساتھ قدیم ایرانی فارسی گو شعرا کے آہنگ وطرز کو بھی دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔

محمد علی فرجاد کی اس تصنیف کو ''مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان'' نے ۱۹۷۷ء میں اسلام آباد سے شائع کیا جس کا پیش لفظ ڈاکٹر محمد جعفر محجوب اور تقریظ ڈاکٹر مشکور احسن نے تحریر کی ہے۔ فاضل مصنف نے برصغیر میں فارسی زبان و ادب کے جائزہ میں ''تمدن آریائی ایران'' سے ''عصر غالب'' تک اپنی تحقیق کو وسعت دیتے ہیں۔اُنھوں نے خاص کر برصغیر کے عہد بہ عہد معاشرتی سماجی اور سیاسی حالات میں فارسی زبان و ادب کے ارتقاء، اہمیت اور کردار پر روشنی ڈالی ہے۔ دوسرے حصے میں غالب کے حالات و احوال کے ساتھ ساتھ، ان کی فارسی تصانیف کا تعارف کرایا گیا ہے۔ سبک ہندی پر روشنی ڈالتے ہوئے غالب کو سبک ہندی کا اہم شاعر قرار دیا ہے:

> ''یکی از خصوصیات دیگر شعر غالب وجود مضامین بسیارِ نغز و معانی لطیف در آن است۔ در شعر غالب تقریباً تمام خصوصیات سبک ہندی دیدہ می شود برای توضیح دراین بارہ بایستی اضافہ کرو کہ در عصر صفوی شعر فارسی لطافت قبل از دوران مغول رااز دست داد و مضامین دور از ذہن و نازک کاریہائے لفظی در آن وارد کردید تشبیہات غریب جناس وایہام واستعارہ در شعر فارسی بسیار معمول و رائج گشت بہ خصوصی شاعرانی کہ در شبہ قارہ زندگی می کردند بہ این نوع شعر بیشتر روی می آورند۔''[۷]

اس کے بعد سبک ہندی کے حوالے سے غالب کی فارسی مثنویات، قطعات، رباعیات، مناجات، ساقی نامہ، قصائد اور غزل سے ''نمونہ ہائے بسیار'' پیش کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر علوی مقدم کا شمار فارسی کے اعلیٰ پائے کے ناقدین میں ہوتا ہے۔اُنھوں نے بھی غالب پر لکھا ہے۔پروفیسر نذیر احمد نے ایرانی دانش وروں کے ایک اجتماع میں شکوہ کیا کہ اہل فارس نے جان بوجھ کر غالب کو نظرانداز کر دیا ہے۔ڈاکٹر علوی مقدم نے پروفیسر نذیر احمد کے شکوے کو دور کرنے کے لیے غالب پر ایک مقالہ ''نظری بر افکار غالب'' کے عنوان سے تحریر کیا۔اُنھوں نے اس مقالہ میں غالب کی نظم و نثر، دونوں کو احاطہ

موضوع میں لایا ہے۔ مقدم نے غالب کی فارسی ترکیبوں، اصطلاحات اور جزئیات کا خاصا دقت نظری سے جائزہ پیش کیا ہے۔ان کا یہ مقالہ شہید یونیورسٹی کے 'ریسرچ جنرل' کے علاوہ ''دانش اسلام آباد''، ''مجلہ بیاض دہلی'' اور ''غالب نامہ'' (۱۹۹۱ء) میں شائع ہوا ہے۔اس مضمون کا اردو ترجمہ سید حسن عباس نے ''افکار غالب پر ایک نظر'' کے نام سے کیا ہے۔ ''غالب نامہ'' میں یہ مقالہ پروفیسر نذیر احمد کے ادارتی نوٹ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے غالب کے حالات زندگی، ان کا زمانہ اور اس دور کے سیاسی و سماجی پس منظر میں 'غالب' کی غزل، قطعہ اور رباعیات کا جائزہ لیا ہے۔ وہ 'غالب' کے ہاں مضمون آفرینی، احساسات و جذبات کی فراوانی اور غالب کی مسائل زندگی سے واقفیت اور انسان سے وابستگی ایسی خصوصیات کو قاری کے لیے پُر کشش قرار دیتے ہیں۔ وہ غالب کو مکارمِ اخلاق کے مرتبے پر فائز پاتے ہیں۔ وہ ان کی شاعری میں تکریم انسانیت، صوفیانہ افکار اور مذہبی رنگ بھی دریافت کرتے ہیں۔ڈاکٹر محمد علوی، نے غالب کی شاعری میں برتے گئے صنائع و بدائع اور بدیع و بیان کے تمام پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ وہ نظم کے علاوہ نثر غالب کو ہر گز نظر انداز نہیں کرتے، بلکہ خطوط کے ساتھ ساتھ ''دستنبو'' اور ''قاطع برہان'' کا جائزہ بھی لیتے ہیں۔ وہ غالب کے ہاں موجود تعزیت نگاری کے مخصوص انداز کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں:

> ''تعزیت نامے پر تھوڑا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تعزیت ناموں کا مقدمہ تمہید اور طرز نگارش [مکتوب نگار کی زبان کے اعتبار سے] بہت عمدہ ہے۔ مکتوب نگار نے سب سے پہلے اپنے رنج کا اظہار کیا ہے۔اسکے بعد لواحقین کو صبر و شکیبائی کی تلقین کی ہے۔ پھر متوفی کے لیے طلب بخشش کی ہے۔ لیکن ایسے خطوط میں عربی کے ثقیل الفاظ، استعارہ کنایہ اور دیگر لفظی و معنوی صنعتوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔'' [۸]

ڈاکٹر محمد علی مقدم کا ایک اور غالب پر مقالہ ''غالب کون ہے؟'' کے عنوان سے سامنے آتا ہے۔ فارسی شعرا میں وہ اقبال اور امیر خسرو کے بعد سبک ہندی کے دیگر شعرا پر غالب کو مقدم رکھتے ہیں۔ غالب و اقبال ایسے خوش نصیب شاعر ہیں، جنھیں برصغیر کے علاوہ دنیا بھر میں بے حد پذیرائی نصیب ہوئی۔اور دونوں شعرا پر بے تحاشا کام ہوا۔ غالب کئی اعتبار سے، اقبال سے تقدیم کے حق دار ہیں۔اس سے جہاں 'ڈاکٹر محمد علوی

مقدم'ایسے بالغ نظر نقاد کا تعصب سامنے آتا ہے، وہیں دیگر فارسی ناقدین کا غالب کو در خور اعتنانہ سمجھنے کا سبب بھی واضح ہوتا ہے، جو تعصب پر مبنی ہے۔ڈاکٹر علوی مقدم نے ''غالب کون ہے؟'' میں غالب کی زندگی اور ان کے زمانے کو بھی موضوع بنایا ہے۔وہ غالب کی شاعری کے زمانے کا تعین تیموریہ بادشاہوں کے دور اقتدار کے خاتمے اور انگلشیہ سرکار کے زور پکڑنے کے زمانے سے کرتے ہیں۔اُنھوں نے اس مقالہ میں نظم غالب کے ساتھ ساتھ نثر غالب کا جائزہ بھی لیا ہے۔خطوطِ غالب کا تفصیلاً جائزہ لیتے ہوئے،ان کے حالاتِ زندگی اور اس دور کی سیاسی و سماجی فضا کو بھی سامنے لائے ہیں۔[۹]

پروفیسر محمد استعلامی کا مقالہ ''غالب کی شاعری میں صحو اور سکر'' جس کا عنوان دو تصوف کی اصطلاحوں پر مشتمل ہے۔اعمال پر زور دینا ''صحو'' اور اعمال سے رو گردانی ''سکر'' کہلاتا ہے۔اس مقالہ کا اردو ترجمہ ڈاکٹر نورالحسن انصاری نے کیا ہے، جو مجلہ ''غالب نامہ'' کے جنوری ۱۹۸۴ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ لکھتے ہیں:

> ''غالب کی غزلوں میں ''صحو'' سے زیادہ ''سُکر'' کی جلوہ آرائی ہے۔ان کے اشعار میں ہمیں ایسا نیک اندیش مومن نظر آتا ہے جو مظاہر قدرت کا بغور مطالعہ کرتا ہے اور زندگی کی خوبصورتی، خوشی اور وارفتگی کے بارے میں بیشتر گفتگو کرتا ہے۔''[۱۰]

پروفیسر محمد استعلامی نے غالب کے ہاں ''سُکر'' کی جلوہ آرائیاں دکھائی ہیں۔وہ تصوف کی دنیا میں سے حضرت جنید بغدادی کو ''صحو'' اور ''حضرت بایزید بسطامی'' کو ''سکر'' کے نمائندہ صوفی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔اول الذکر کے اعمال و افعال پابند شریعت اور ثانی الذکر کے ماورائے شریعت ہوا کرتے تھے۔وہ غالب کو ''سکر'' کے دبستانِ تصوف و فلسفہ کا نمائندہ شاعر قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر رضا مصطفوی کا ایک فارسی مقالہ جنوری ۱۹۹۴ء کے ''غالب نامہ'' میں بعنوان ''سہم غالب در گسترش واثرہائے فارسی در شبہ قارہ ہند'' نظر آتا ہے جس میں غالب اور ان کی فارسی تصانیف کو موضوع بنایا گیا ہے۔وہ 'دستنبو' کا تعارف یوں کراتے ہیں:

''موضوع دستنبو سر گزشت غالب و زویداد ہائے میانہ آغاز سال ہائے ۱۸۵۷ء تاماہ جولائی ۱۸۵۸ء است دراین بخش ذکر کشتار دہلی وانچہ بر شاعر و برادرش گذشتہ در خور توجہ است۔ کتاب سر گزشت تاریخ گویائے روزگار نو پسندہ است وازاین جہت کہ او حوادث را با چشم خود دیدہ یا وقائع رااز بنید گان شنیدہ مطالب شایان وقت و قابل بررسی ہائے تاریخ نیز تواند بود خود می گوید ''بہ نگارش سر گزشت پرداختم و موسوم بہ دستنبو ساختم'' غالب گوشہ ای از ماجرا راچنین توصیف می کند۔''[۱۱]

اس کے علاوہ ''ڈاکٹر رضا مصطفوی'' کا ایک اور مضمون: ''برشگال ہند و برشگال غالب'' کے عنوان سے جولائی ۱۹۹۳ء کے مجلہ ''غالب نامہ'' میں ملتا ہے۔ اُنھوں نے اپنے اس مقالے میں غالب اور دیگر ہندوستانی فارسی گو شعرا کے کلام سے برسات کے موسم کے بیان کا جائزہ لیا ہے۔ غالب سمیت ان تمام ہندوستانی فارسی گو شعرا نے برسات کے مضمون کو کس قدر منفرد اور اچھوتے انداز میں باندھا ہے۔

یحییٰ طالبیان فارسی کے معروف استاد ہیں، جو دانش گاہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں بھی فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ ان کا ایک مقالہ جنوری ۲۰۰۰ء میں بعنوان ''عناصر شعری ترکیب ہند از غالب دہلوی''، تحقیقی مجلہ ''غالب نامہ'' میں فارسی میں شائع ہوا۔ فاضل مقالہ نگار نے ''مقدمہ'' کے ضمنی عنوان میں غالب کا مختصراً تعارف پیش کیا ہے۔ جب کہ ''بحث'' کے ضمنی عنوان کے تحت غالب کی شاعری کا جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ غالب کی شاعری میں موجود عشقیہ مضامین، آزردگی، صورت خیال اور موسیقیت کے عناصر کے علاوہ اس کا ترکیبی و ہیئتی جائزہ بھی لیتے ہیں۔ یحییٰ طالبیان اپنے اس مقالے کا تعارف یوں پیش کرتے ہیں:

''این مقالہ ترکیب بندی از اسد اللہ غالب دہلوی، شاعر ہند رااز دیدگاہ عناصر شعری عاطفہ تخیل اندیشہ، زبان و موسیقی بررسی می کند و بیشتر براندیشہ حاکم بر شعر تکیہ دارد۔ بہ آموز ہائے عرفانی شعر می پردازد و نکات ہنری تخیل شاعرانہ را بازمی نماید و سرانجام بااستاد بہ روش زندگی و منش شاعر یادآور می شود کہ ہر چند شاعر در شعرش بویژہ دراین ترکیب بند بہ تشیع گرایش دارد لیکن از تعصب بہ مذہبی خاص دوراست واو ہمچون صوفیان حقیقی محب علی است و باید اور راپیروِ مشی ''صلح کلی عرفا'' بہ شمار آورد۔''[۱۲]

ایران میں غالب شناسوں کے اہم ناموں میں ایک نام پروفیسر آزرمی دخت صفوی کا ہے۔ جنھوں نے نہ صرف ایران میں غالب شناسی کے باب میں کمی کو محسوس کیا، بلکہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے غالب پر متعدد مقالات بھی قلم بند کیے ہیں۔ ان کا مقالہ ''غالب کا فارسی کلام اور نشاۃ الثانیہ'' غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے تحقیقی مجلہ، جنوری ۱۹۹۱ء کے ''غالب نامہ'' میں شائع ہوا۔ اس مقالے میں غالب کے فارسی کلام کا اس دور کے ہندوستان کے سیاسی و سماجی پس منظر اور پیش منظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔ وہ اس دور کے ہندوستان میں رونما ہونے والے فکری، ادبی اور معاشرتی تغیرات اور ان کے غالب کے درمیان رشتے کو ''عندلیب گلشن ناآفریدہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں:

> ''ان کی فکر اس دور کے مختلف جہات، اس میں رہنے والوں کی فطرت (سائیکی) ان کے احساسات (NAUNCES)، ان کی آرزؤں، محرومیوں، خامیوں، خوشیوں اور آلام سے بخوبی آشنا تھی۔ پھر بھلا ان کی بے کنار بصیرت، ان کی دوررس نگاہ، ان کا بلند پرواز تخیل، ان کا ادراک، ان کی مشکل پسند طبیعت کس طرح ان کو محض ایک شناسا نظامِ فکر، ایک جانی پہچانی دنیا اور محدود لمحہ وقت کا پابند رہنے دیتی؟''[۱۳]

اس طرح اُنھوں نے غالب کے فکر اور سماج کے درمیان ایک جدلیاتی رشتہ تلاش کیا ہے۔ غالب کے یہاں جدلیات انھیں زمان و مکان کی قید سے آزاد کرتی ہے اور آفاقیت کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔

پروفیسر آزرمی دخت صفوی کا ایک مقالہ بعنوان ''غالب کے فارسی کلام میں عہد غالب کے بعض فکری اور سماجی مسائل''، ''غالب نامہ'' کے جنوری ۱۹۹۴ء کے مجلہ میں نظر آتا ہے۔ غالب کا زمانہ تغیر سے تعبیر ہے، وہ زمانہ سیاسی و سماجی ہر اعتبار سے تغیر پذیری سے گزر رہا تھا۔ تہذیب رفتہ کی بساط لپٹ رہی تھی، اس کی جگہ ایک نئی اور ان جانی تہذیب لے رہی تھی۔ فارسی اور مروجہ علوم کی جگہ انگریزی اور سائنس رواج پا رہی تھی۔ سائنس کے کرشموں نے ہر ایک دیدہ ور کو خیرہ کیا ہوا تھا۔ غالب اس سارے تماشے کے خاموش تماشائی کیسے ہو سکتے تھے؟ غالب کی آواز، جو عہد رفتہ کا نوحہ ہر گزنہ تھی، بلکہ ان کی نگاہ کرشمہ ساز حال اور مستقبل، زمانہ قریب و بعید کے تمام تغیر و تبدل کو محسوس کر کے اپنے تخلیقی قالب میں اتارنے کا ملکہ حاصل کر چکی تھی۔

ڈاکٹر آزرمی دخت صفوی غالب کی نظم و نثر کو ہم عصریت کے تنگ دائرے میں مقید اور محدود کرنے کو غالب کا عیب گردانتے ہیں جو ان کی فکری وسعت کے منافی ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

> ''فکر کی اسی وسعت اور لا محدودیت کی بدولت غالب کا کلام عصری معنویت کو ماورائیت (Transcendertatum) میں ضم کر دیتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ عصری عوامل کے اس شعور اور اس کے تاثر کو ''فکر منضبط'' یا ''مدرسہ فکر''، جیسی اصطلاحات جدید سے تعبیر کرنا درست نہ ہوگا۔ وہ دور موضوعاتی شاعری کا نہ تھا اور نہ اس زمانے کا شاعری، اپنی شاعری کو ملک و ملت کے لیے پیغام رسانی کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا۔ غالب غزل کے شاعر تھے اور غزل استعارہ و علامت میں اپنا مفہوم ادا کرتی ہے۔ چناں چہ مرزا کی غزل بھی، خصوصاً ان کی فارسی غزل، اس دور کے مثبت و منفی عوامل و حوادث اور ان سے ناشی مسائل پر غالب کے ردّ عمل کو استعارہ کے رموز میں بیان کرتی ہے۔''[۱۴]

وہ چار الفاظ: 'تشکیک'، 'استفہام'، 'کنکاوی' اور 'تعقّل' کو کلامِ غالب کی تفسیر کے سرنام کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہ غالب کو ان کے ہاں موجود انفرادیت، تعقّل، حقیقت پسندی اور معروضیت کی بنا پر قدیم تہذیب اور روایت کی نشاۃ ثانیہ کا امام قرار دیتے ہیں۔

پروفیسر آزرمی دخت صفوی کا مضمون ''ایران میں نقد و تفہیم غالب پر ایک نظر'' فارسی میں غالب شناسی کی روایت کے جائزے پر مبنی ہے۔ جہاں وہ اہل ایران کی طرف سے غالب سے رو گردانی کا شکوہ کرتے ہیں۔ وہیں ایران میں جو کچھ غالب پر کام ہوا اسے سامنے لاتے ہوئے، تعین قدر کا بھی کام کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر شفیعی کدکنی کا شمار بھی فارسی زبان کے غالب شناسوں میں ہوتا ہے۔ اُنھوں نے غالب کی سویں برسی (۱۹۶۸ء) کے موقع پر ''شعر پارسی در آنسوی مرزہا'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جو رسالہ ہزدم میں شائع ہوا۔ اسی طرح ڈاکٹر ضیاء الدین کا مقالہ بعنوان ''بخشی در بارہ شعر غالب دہلوی'' رسالہ ''پیوند دوستی'' (۱۹۷۱ء) میں شائع ہوا ہے۔[۱۵] ایران میں غالب شناسی کے حوالے سے ایک بڑا نام ڈاکٹر محمد حسن حائری کا بھی ہے جنھوں نے ''نقد بررسی غزلیات فارسی میرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی'' (۱۹۷۹ء) کے موضوع پر تہران یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔ غالب پر ان کی ایک اور کتاب ''میخانہ آرزو'' (۱۹۹۳ء)

کے نام سے ہے۔ ایران کی نشاۃ ثانیہ کے بعد آیت اللہ خمینی کے دور میں، جب اقبال شناسی کو ایران میں عروج حاصل تھا، اس زمانے میں غالب ایسے رند مشرب شاعر کا ایران میں پہنچنا ممکن نہ تھا، ایسے حالات میں بھی ڈاکٹر محمد حسن حائری نے فارسی غزلیات اور رباعیات پر مشتمل دیوان غالب (۱۹۹۸ء) مرتب کیا۔ اُنھوں نے پاکستان اور ہندوستان کے پانچ فارسی نسخوں کے مقابلے اور موازنے سے ایک تنقیدی نسخہ ''دیوان غالب چاپ تہران'' ترتیب دیا ہے۔ ہر غزل اور رباعی کے دیگر نسخ میں جائے موجودگی کا پتہ دینے کے لیے صفحات نمبر بھی درج کر دیے گئے ہیں۔ آخر میں قدیم الفاظ، ایرانی، اساطیری اور زرتشتی اصطلاحات کی مرتبہ فرہنگ بے حد خاصے کی چیز ہے۔ اس دیوان پر حائری مربوط و مبسوط اور معنی خیز مقدمہ تصنیف کیا ہے۔ کلام غالب کے جائزے میں اُنھوں نے اردو فارسی، دونوں زبانوں کی شاعری کا احاطہ کیا ہے۔ یہ جامع اور مدلل تحقیقی و تنقیدی مقدمہ فاضل مرتب کی علمیت پر دال ہے۔[۱۶]

ڈاکٹر ابوالقاسم رادفر کئی برس تک ہندوستان میں فارسی زبان وادب پڑھاتے رہے ہیں۔ فارسی زبان و ادب پر ان کے کئی مقالات ہیں۔ وہ کئی غالب سیمیناروں میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ حسن عباس سید نے ان کے ایک مقالہ ''غالب دہلوی'' کا ذکر کیا ہے۔ اس مقالہ میں غالب کے حال واحوال کے ساتھ ساتھ، ان کی شاعری پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ غالب کی غزلوں میں تصویر گری اور لطف و معانی کی خصوصیات کو خوب سراہا گیا ہے۔ ان کے ہاں غالب واقبال کے موازنے و مقابلے کی گہری فضا پائی جاتی ہے۔ تہران کی دانش گاہ ''تربیت مدرس'' کے فارسی کے استاد ڈاکٹر سعید برگ بیگدلی کا مقالہ ''یک شاعر دو نگاہ: ناطق از دیدہ گاہِ غالب و زیب مگسی'' بھی خاصا اہمیت کا حامل ہے۔[۱۷]

اس سب کے علاوہ پاکستان و ہندوستان میں غالب سے متعلق تقاریب اور سیمیناروں میں ایران سے دانش ور اور ناقدین شرکت کرتے رہتے ہیں اور اپنے علمی و ادبی مقالات سے غالب کے پرستاروں اور علمی و ادبی حلقوں کو نوازتے رہتے ہیں۔ پاکستان نے غالب پر بین الاقوامی سیمینار کرایا تو اس میں ایران سے ایرج افشار نے شرکت کی اور اپنا علمی و ادبی مقالہ پیش کیا۔ اسی طرح ہندوستان میں غالب صدی کے سیمینار میں ایران سے پروفیسر لطف علی صورت گر شریک ہوئے اور مقالہ پیش کیا۔

ہندوستان میں غالب شناسی اور غالب فہمی میں ''غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی اور ''غالب اکیڈمی'' نئی دہلی، اپنا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ان اداروں کے زیر اہتمام سیمیناروں اور تقاریب کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، جن میں گاہے بگاہے اور موقعہ بہ موقعہ، برصغیر پاک وہند کے ساتھ ساتھ کئی دیگر ممالک سے دانش وروں اور غالب شناسوں کو مدعو کر کے مقالات پڑھوائے جاتے ہیں۔اس طرح غالب شناسی کے باب میں، دنیا بھر سے آئے محققین اور دانش ور کئی گوہر نایاب بکھیرتے ہیں۔ جنھیں ان اداروں کے مجلّات ''جہانِ غالب'' غالب اکیڈمی اور ''غالب نامہ'' غالب انسٹی ٹیوٹ میں سمٹا جاتا ہے۔ مذکورہ دونوں رسائل میں کئی ایسے سیمیناروں کی روودادیں محفوظ ہیں۔ بیرونِ ملک کے دانش وروں، محققوں اور غالب شناسوں کے مقالہ جات پیش کرنے میں ''غالب نامہ'' پیش پیش ہے۔ ملکی وغیر ملکی، کئی مقالہ جات اس رسالے کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ ''غالب نامہ'' جنوری ۱۹۸۴ء میں پروفیسر استعلامی کا مقالہ ''صحو و سکر در غزل غالب''، جنوری ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں ڈاکٹر آرزمی دخت صفوی کا مقالہ ''غالب کا فارسی کلام اور نشاۃ الثانیہ''، جولائی ۱۹۹۳ء کے شمارے میں ڈاکٹر رضا مصطفوی کا مقالہ ''برشگال ہندو برشگال غالب'' کے ساتھ ساتھ ان کا ایک اور مقالہ ''سہم درگسترش واژہائے فارسی در شبہ قارہ ہندی کے عنوان سے جنوری ۱۹۹۴ء کے شمارے میں شائع ہوئے۔ڈاکٹر آرزمی دخت صفوی، کا ایک اور مقالہ جنوری ۱۹۹۴ء کے 'غالب نامہ' میں ''غالب کے فارسی کلام میں عہد غالب کے بعض فکری اور سماجی مسائل'' جولائی ۱۹۹۱ء اور جنوری ۱۹۹۶ء کے شماروں میں ڈاکٹر محمد علوی کے مقالہ جات بالترتیب عنوان ''افکارِ غالب پر ایک نظر'' اور ''غالب کون ہے'' کے ساتھ نظر آتے ہیں۔اسی طرح اکبر ثبوت کا مقالہ ''غالب واندیشہ وحدت وجود'' جنوری ۱۹۹۶ء، استاد حسین فقہی کا مقالہ ''نقد بررسی دیوانِ غالب'' جولائی ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں اور یحییٰ طالبیان، کا فارسی مقالہ: ''عناصر شعری ترکیب بندی از غالب'' جنوری ۲۰۰۳ء کے ''غالب نامہ'' میں سامنے آتے ہیں۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔

جب ہندوستان میں فلم ''غالب'' کی نمائش ہوئی تو ہندوستانیوں سمیت بیشتر غیر ملکی سفراء نے بھی اس فلم کو دیکھا اور بے حد پسند کیا۔ نئی دہلی میں ایران کے سفارت خانہ کے کونسلر مشائخ فریدنی نے اس فلم کو بطور خاص سراہا اور اس کی نمائش کا طہران میں اہتمام کیا۔ فلم شروع ہونے سے قبل فلم کا فارسی میں خلاصہ،

مرزا غالب کی سوانح اور آقائے مشائخ فریدنی کا تبصرہ حاضرین میں تقسیم کیا گیا[۱۸] یہ تبصرہ غالب کے شعری فکری وفنی محاسن کا احاطہ کرتا ہے۔

پاکستان، کراچی میں ''ادارہ یادگار غالب'' اور لاہور میں ''غالب میموریل ٹرسٹ'' ایسے ادارے غالب کے نام پر قائم ہیں۔ ''ادارہ یادگار غالب'' نے کئی بیش قدر غالب پر کتب شائع کی ہیں۔اس ادارے کی طرف سے ایک تحقیقی رسالہ ''غالب'' کے نام سے شائع ہوتا رہا، اب عرصہ سے اس کی اشاعت کا سلسلہ تعطل کا شکار ہے۔اس رسالے میں 'غالب' کے لیے ایک گوشہ مختص تھا۔ یہ رسالہ بیرون ملک کے غالب شناسوں کو نمائندگی دینے میں تہی دامن رہا ہے۔

پاکستان میں غالب کے نام سے جڑا دوسرا ادارہ: ''غالب میموریل ٹرسٹ'' لاہور ہے، جس کے تحت سہ ماہی ''سورج'' کا غالب نمبر شائع ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ غالب پر کانفرنسوں کا سلسلہ گاہے بگاہے چلتا رہتا ہے۔ دسمبر ۲۰۱۲ء میں اس ادارے کے زیر اہتمام دوسری سہ روزہ بین الاقوامی ''غالب کانفرنس'' کا انعقاد ہوا، جس کا موضوع ''امن اور محبت کا شاعر غالب'' تھا۔اس کانفرنس میں ملکی دانش وروں، ادیبوں، نقادوں اور محققوں کے ساتھ ساتھ دیگر کئی ممالک سے مندوبین نے شرکت کی۔اس کانفرنس کے مہمان دانش وروں اور غالب شناسوں میں ڈاکٹر درمش بلگور (ترکی)، محمد شمیم خاں (بنگلا دیش) اور ڈاکٹر تاش مرزا (ازبکستان) نے مقالات پیش کیے۔[۱۹] سفارت اسلامی جمہوری ایران اسلام آباد، ثقافتی قونصلیٹ کا علمی و تحقیقی مجلہ سہ ماہی ''پیغام آشنا'' پاکستان سے شائع ہوتا ہے۔ میری نظروں سے پچاس کے قریب شمارے گزرے ہیں جن میں چند غالب پر مضامین نظر آئے، جب کہ اقبال پر اس رسالے نے خصوصی نمبر بھی شائع کیے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، غالب کے اجداد ترکی وسلجوقی تھے اور ان کا تعلق سمرقند وتاش قند سے تھا، اس لیے ازبکستان میں بھی غالب کو اپنائیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ وہاں بھی تھوڑا بہت غالب شناسی کے باب میں کام ہوا ہے۔ ''مہر نیم روز'' کا ازبک اسکالر علی بیگ استموف نے ازبک زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ مرزا غالب کا یوم وفات بھی سرکاری طور پر تاش قند میں منایا گیا ہے۔ غالب کے کلام اور منتخب اشعار کا انتخاب ازبکستان کے اردو جاننے والے اسکالر رحمان بیردی محمد نوف نے ''شیدا'' کے نام سے ازبک زبان میں کیا۔ اسی سال ۱۹۶۹ء

اردو کے دوسرے اسکالر الیاس ہاشیموف نے مرزا غالب سے متعلق ''شاعر اور مفکر'' نام کا ازبیکی زبان میں ایک رسالہ نکالا۔ ۱۹۹۴ء میں مرزا غالب کے ایک سو پچیسویں یوم وفات کے موقع پر مشرقی انسٹی ٹیوٹ ازبیکستان میں غالب کے اعزاز میں ایک سیمی نار کا انعقاد کیا گیا۔ ۱۹۹۵ء میں ازبیکستان میں پروفیسروں والے ایک محلے کو مرزا غالب کے محلے کا نام دیا گیا۔ تاش قند مڈل اسکول اور مشرقی انسٹی ٹیوٹ پیٹل ٹسے کالج میں اسکول کے بچوں کو اردو زبان کی تعلیم دی جاتی ہے اور اسی کالج میں ہر سال مرزا غالب کا جنم دن بھی منانے کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ازبکستان کے دیگر اداروں، ابو ریحان البیرونی مشرقی تحقیقاتی انسٹی ٹیوٹ، اسلامک گورنمنٹ یونیورسٹی اور نیشنل یونیورسٹی کے طالب علموں کو مرزا غالب، محمد اقبال، سر سید احمد خاں، مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، اروند وگھوش اور دوسرے مفکروں اور ہندوستانی شعرا کی زندگی اور میراث پر ڈپلوما پروگرام اور ریسرچ کرائی جاتی ہے۔[۲۰]

تاجیکستان کی علمی و ادبی اور کلاسیکی زبان فارسی ہے۔ تاجیکستان میں معروف ریاستی علمی و ادبی ادارہ ''عرفان''، جس کا علم و ادب کے فروغ میں سر گرم کردار ہے۔ اس ادارے میں ریاستی سطح پر ''جشنِ غالب'' بھی منایا گیا ہے۔ اس ادارے نے غالب پر ایک کتاب ''منتخب آثار غالب'' کے نام سے شائع کی ہے، جس میں غالب کے ہاں فارسی زبان کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ فارسی زبان سے مرزا غالب کے شغف، فکرِ غالب میں احساسِ نفس اور عرفان نفس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کلام غالب کی معنویت کو اجاگر کرنے کے لیے اس کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے۔[۲۱]

اہل فارس کی غالب کے سلسلے میں عدم توجہی یا نیم توجہی قابل فکر ہے۔ فارسی ادب کی تاریخ غالب کے بغیر نامکمل ہے۔ اس لیے فارسی داں طبقے کے لیے یہ ناممکنات میں سے ہے کہ وہ مکمل طور پر غالب سے صرف نظر کریں۔ فارس میں غالب شناسی سست روی کا شکار رہی، اور اب اس جمود سے نکل رہی ہے۔ فارسی داں طبقے کے ہاں غالب کا وہ مقام مرتبہ نظر نہیں آتا جو اہل اردو نے اُنھیں دیا ہے۔ غالب نے جس قدر فارسی کو وسیلہ اظہار بنایا، فارسی نظم و نثر کے لیے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، اور فارسی کو وجہ افتخار بتایا، فارسی داں طبقہ چاہے غالب کو جس قدر خراجِ تحسین پیش کرکے مگر پھر بھی:

حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

غالب آج بھی فارسی داں علمی و ادبی طبقہ کی توجہ والتفات کا منتظر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حسن عباس، سید، ''ایران اور تفہیم غالب''، مشمولہ: غالب کی تفہیم و تعبیر کے امکانات، مرتبہ: صدیق الرحمٰن قدوائی (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۹ء)، ص۳۶۔

۲۔ صفوی، آزرمی دخت، ''ایران میں نقد و تفہیم غالب پر ایک نظر''، مشمولہ: غالب کی تفہیم و تعبیر کے امکانات، مرتبہ: صدیق الرحمٰن قدوائی، ص۲۹۳۔

۳۔ تاباں نقوی امروہوی، میخانہ تہ حرف (نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۶ء)، ص۱۵۔

۴۔ ایضاً، ص۱۳۔

۵۔ صفوی، آزرمی دخت، ''ایران میں نقد و تفہیم غالب پر ایک نظر''، مشمولہ: غالب کی تفہیم و تعبیر کے امکانات، مرتبہ: صدیق الرحمٰن قدوائی، ص۲۹۴۔

۶۔ شہناز پروین، ''عہد حاضر کے ایران میں غالب کی شناخت''، مشمولہ: جہانِ غالب (نئی دہلی: دسمبر ۲۰۰۷ء تا مئی ۲۰۰۸ء)، شمارہ۔۵، ص۹۴۔

۷۔ علی فرجاد، محمد، احوال و آثار میرزا اسد اللہ خان غالب (اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۷ء)، ص۱۵۸:۱۵۹۔

۸۔ محمد علوی مقدم، ڈاکٹر، ''افکار غالب پر ایک نظر''، مشمولہ: غالب نامہ (نئی دہلی: جولائی ۱۹۹۱ء)، شمار۔۲، ص۱۲۷۔

۹۔ ایضاً، ص۱۷۰۔

۱۰۔ محمد استعلامی، پروفیسر، ''غالب کی غزل میں صحو اور سکر''، مشمولہ: غالب نامہ (نئی دہلی: جنوری ۱۹۹۴ء)، شمارہ۔۱، ص۲۴۔

۱۱۔ رضا مصطفوی، ڈاکٹر، ''سہم غالب در گسترش واژہائے فارسی در شبہ قارہ ہندی''، مشمولہ: غالب نامہ(نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۴ء)، شمارہ۔۱، ص۲۰۶۔

۱۲۔ یحییٰ طالبیان، ''عناصر شعری ترکیب بندی از غالب دہلوی''، مشمولہ: غالب نامہ(نئی دہلی: جنوری ۲۰۰۰ء)، شمارہ۔۱، ص۱۹۹۔

۱۳۔ صفوی، آرزمی دخت، ''غالب کا فارسی کلام اور نشاۃ الثانیہ''، مشمولہ: غالب نامہ(نئی دہلی: جنوری ۱۹۹۱ء)، شمارہ۔۱، ص۱۷۔

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ شہناز پروین، ''عہد حاضر کے ایران میں غالب کی شناخت''، مشمولہ: جہانِ غالب (نئی دہلی: دسمبر ۲۰۰۷ء تا مئی ۲۰۰۸ء)، شمارہ۔۵، ص۹۴۔

۱۶۔ صفوی، آزرمی دخت، ''ایران میں نقد و تفہیم غالب پر ایک نظر''، مشمولہ: غالب کی تفہیم و تعبیر کے امکانات، مرتبہ: صدیق الرحمٰن قدوائی، ص۳۰۲۔

۱۷۔ حسن عباس، سید، ''ایران اور تفہیم غالب''، مشمولہ: غالب کی تفہیم و تعبیر کے امکانات، مرتبہ: صدیق الرحمٰن قدوائی، ص۳۶۶:۳۶۵۔

۱۸۔ تاباں نقوی امروہوی، میخانہ تہ حرف، ص۱۳۔

۱۹۔ http://www.urduweb.org

۲۰۔ سعد اللہ، پروفیسر، ''مرزا غالب کا ازبکستان میں مطالعہ''، مشمولہ: جہانِ غالب(نئی دہلی، دسمبر ۲۰۰۶ء، تا مئی ۲۰۰۷ء)، شمارہ۔۳، ص۱۰۹۔

۲۱۔ تاباں نقوی امروہوی، میخانہ تہ حرف، ص۱۳۔